مولانا عبدالرحمٰن کیلانی
آخری قسط

احکامِ وراثت

ردّ :

اور بعض دفعہ یوں ہوتا ہے کہ ذوی الفروض میں حصّے تقسیم کرنے پر کچھ ترکہ بچ جاتا ہے، مگر کوئی عصبہ بھی زندہ نہیں ہوتا ــــ اور قاعدہ یہ ہے کہ ذوی الفروض یا عصبہ کی موجودگی میں ذوی الارحام حصّہ نہیں پاتے۔ لہٰذا بقایا ترکہ بھی ذوی الفروض کو ان کے حصوں کی نسبت سے بانٹ دیا جاتا ہے۔ علم فرائض کی اصطلاح میں یہ قاعدہ "الرّد" کہلاتا ہے۔ مثلاً میت کی بیوی، ماں اور ایک لڑکی زندہ ہیں، تو ان کے حصّے یوں ہوں گے :

بیوی $\frac{1}{8}$ + ماں $\frac{1}{6}$ + بیٹی $\frac{1}{2}$ = $\frac{12+4+3}{24}$ = $\frac{19}{24}$ ــ باقی = $\frac{5}{24}$

اب قاعدہ یہ ہے کہ ردّ کی صورت میں خاوند یا بیوی کو مزید کچھ نہیں ملتا۔ لہٰذا یہ بقایا ۵ حصّے ماں بیٹی میں ان کے مقررہ حصوں کی نسبت، یعنی ۱ - ۳ کی نسبت سے تقسیم ہو جائیں گے۔ چنانچہ ان پانچ حصّوں کے ۲۰ حصّے بنا کر ۵ ماں کو اور ۱۵ بیٹی کو دے دیئے جائیں گے۔

ردّ کے مسئلہ میں بھی کئی طرح کے اختلاف ہیں ــــ مثلاً :

۱۔ بعض تو سرے سے ردّ کے قائل ہی نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ عصبہ نہ ہونے کی صورت میں بقایا بیت المال میں جانا چاہیے۔

۲۔ بعض کہتے ہیں کہ زوجین کو ذوی الفروض سے خارج کر دینا چاہیے، کیوں کہ وہ رحم کا رشتہ نہیں!

۳۔ بعض باپ دادا کو بھی خارج کر دیتے ہیں، کیوں کہ وہ عصبہ بن سکتے ہیں! ــــ اور

۴۔ بعض کہتے ہیں کہ کسی کو بھی خارج نہ کرنا چاہیے، حتّٰی کہ زوجین کو بھی خارج نہ کرنا چاہیے۔

جب کہ راجح مذہب وہ ہے جو حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، جمہور صحابہؓ، تابعینؒ، امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ کا ہے — اسی پر شافعیہ نے اعتماد کیا ہے، اور بعض مالکیوں نے بھی کہ جب بیت المال موجود نہ ہو تو بقایا ترکہ درج ذیل آٹھ ذوی الفروض میں سے جو موجود ہوں، ان پر لوٹا دیا جائے — اس میں زوجین اور ماں باپ دونوں کو خارج کر دیا گیا ہے :

(۱) بیٹی (۲) پوتی (۳) سگی بہن (۴) سوتیلی بہن (۵) ماں (۶) نانی، دادی (۷) مادری بھائی (۸) مادری بہن۔ (فقہ السنۃ ج ۳ ص ۴۴۴)

عصبات

ذوی الفروض کی بحث میں عصبہ کی تعریف اور تقسیم بہت حد تک ذکر ہو چکی۔ مختصراً عصبہ نسبی کی چار جانبیں ہیں جو درج ذیل ہیں :

ا۔ بیٹا، پوتا نیچے تک (جزء میت) ب۔ باپ۔ دادا (اصل میت) ج۔ بھائی اور ان کی نرینہ اولاد (جزء اصل میت) د۔ چچے اور ان کی نرینہ اولاد (جزء عصبہ میت)۔

مزید وضاحت یہ ہے کہ عصبہ کی تعیین کے سلسلہ میں دو باتوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے ایک میت سے بلحاظ رشتہ قُرب اور بُعد اور دوسرے یہ کہ سگے رشتہ دار سوتیلے پر اور سوتیلے ماں جائے رشتہ دار پر مقدم ہوتے ہیں۔ مثلاً سگا بھائی سوتیلے بھائی پر تو مقدم ہوگا، لیکن سگے بھائی کا بیٹا سوتیلے بھائی پر مقدم نہ ہوگا۔ اسی طرح سوتیلا چچا سگے چچا کے بیٹوں پر مقدم ہوگا۔ اور سوتیلے بھائی کا بیٹا سگے بھائی کے پوتے پر مقدم ہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس۔

عصبہ کی اقسام :

ایک دوسرے پہلو سے عصبہ کی تین اقسام ہیں۔ جو درج ذیل ہیں :

۱۔ عصبہ بنفسہٖ۔ مندرجہ بالا چاروں جوانب میں جو رشتے مذکور ہوئے، یہ عصبہ بنفسہٖ ہیں۔ یعنی عصبہ ہونے میں کسی دوسرے کے محتاج نہیں۔

۲۔ عصبہ بالغیر یا بغیرہ۔ میت کی بیٹی یا بیٹیاں ذوی الفروض سے ہیں۔ لیکن جب ان کا کوئی بھائی بھی ہوگا (جو میت کا بیٹا اور عصبہ بنفسہٖ ہے) وہ اپنی بہنوں کو بھی عصبہ بنا دے گا اور وہ ذوی الفروض سے نہ رہیں گی۔ پہلی صورت میں ان کا $\frac{1}{2}$ یا $\frac{2}{3}$ حصہ مقرر تھا۔ اب وہ

نہ رہا۔ اب وہ اپنے بھائی کے ساتھ بقایا ترکہ میں سے دوہرے اور اکہرے حصّہ کی نسبت سے حصّہ پائیں گی۔ گویا بیٹے کے ساتھ بیٹیاں عصبہ بالغیر یا بغیرہ بن گئیں۔ عصبہ بالغیر بیٹیاں[1]، پوتیاں[2]، حقیقی بہنیں اور سوتیلی بہنیں[3] ہیں۔

۳۔ عصبہ مع الغیر۔ بعض دفعہ کسی ذی الفرض رشتہ دار کی موجودگی دوسرے ذی الفرض رشتہ دار کو عصبہ بنا دیتی ہے۔ مثلاً میت کی ایک بیٹی اور ایک بہن ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا حصّہ $\frac{1}{2}$ ہے[1]۔ اب اگر ایک پوتی بھی ہو جو بیٹی کے ساتھ $\frac{1}{6}$ حصّہ پاتی ہے، تو یہ پوتی بہن کو عصبہ بنا دے گی۔ بیٹی بھی ذی الفرض اور پوتی بھی ذی الفرض۔ ان دونوں نے مل کر ایک تیسری ذی الفرض بہن کو عصبہ بنا دیا۔ اب بہن کو بیٹی اور پوتی کا حصّہ $\frac{1}{2}$ اور $\frac{1}{6}$ نکالنے کے بعد جو بچے گا وہ ملے گا۔ یعنی $\frac{1}{3}$[2]

گویا عصبہ بالغیر میں کوئی عصبہ ذوی الفروض کو عصبہ بناتا ہے جب کہ عصبہ مع الغیر میں ذی الفرض ہی دوسرے ذی الفرض کو عصبہ بنا دیتا ہے ——— اور یہ حقیقی یا پدری بہنیں ہی ہوتی ہیں۔

ابنائی جانب میں عصبہ عموماً حصّہ کو کم کر دیتا ہے۔ مثلاً بیٹی کا حصّہ $\frac{1}{2}$ ہے۔ جب بیٹا ساتھ مل جائے گا تو بیٹی کا حصّہ $\frac{1}{3}$ ہو جائے گا۔ مگر آبائی جانب میں یہ حصّہ بڑھ جاتا ہے۔ مثلاً میت کے ماں باپ اور بھائی بہنیں ہیں۔ باپ کی موجودگی میں بھائی بہنیں محروم اور حصّہ صرف ماں اور باپ کو $\frac{1}{6}$ اور $\frac{1}{6}$ کل $\frac{1}{3}$ ملے گا۔ باقی $\frac{2}{3}$ بھی باپ کو عصبہ کی حیثیت سے مل جائے گا۔

خاوند بیوی کا عصبہ نہیں بن سکتا۔ وہ $\frac{1}{2}$ کا ہی حق دار ہے۔ اور ہمارے ہاں جو یہ دستور چل نکلا ہے کہ بے اولاد عورت مر جائے تو اس کے رشتہ دار اس کا سب کچھ لے جاتے ہیں، یہ شریعت کے خلاف ہے۔

ذوی الارحام

ذوی الفروض اور عصبات میں ترکہ کی تقسیم کے بعد ہی ذوی الارحام کی باری آتی

---

[1] بخاری، کتاب الفرائض، باب میراث البنات [2] بخاری، کتاب الفرائض۔

ہے اور یہ باری شاذونادر ہی آسکتی ہے، جس کی وجوہ درج ذیل ہیں:

۱۔ ایسی مثال ملنا ہی شاذ ہے کہ میت کی نہ تو اولاد ہو اور نہ ہی آبائی، اخوی اور عمومی جانب میں کوئی عصبہ ملتا ہو۔ اور جب تک ذوی الفروض اور عصبات مل سکتے ہوں، ذوی الارحام کو کچھ نہیں ملتا۔

۲۔ اور اگر عصبات نہ ملتے ہوں اور ذوی الفروض موجود ہوں، تو اگر ذوی الفروض سے کچھ ترکہ بچ بھی جائے تو قاعدہ "رد" کے تحت وہ پھر انہی میں تقسیم ہو جاتا ہے۔

۳۔ علماء کا سرے سے اس بات میں ہی اختلاف ہے کہ آیا ذوی الارحام وارث ہوتے بھی ہیں یا نہیں؟ کتاب وسنّت میں، ذوی الارحام کا تقسیمِ ترکہ کے سلسلہ میں کہیں ذکر نہیں ملتا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پھوپھی اور خالہ کی میراث کے متعلق پوچھا گیا تو آپؐ نے فرمایا: "ان کے لیے کچھ نہیں!"

(اسلامی وراثت از حافظ عبداللہؒ روپڑی، حصہ دوم، ص۲)

حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے، "تعجب ہے کہ بھتیجا تو پھوپھی کا وارث ہے، مگر وہ بھتیجے کی وارث نہیں۔" (مؤطا، کتاب الفرائض، باب فی میراث العمّۃ)

نیز ایک دفعہ آپؐ نے فرمایا، "جس کا کوئی وارث نہیں، اس کا میں وارث ہوں۔"

(ابوداؤد، کتاب الفرائض، باب میراث ذوی الارحام)

گویا وہ ترکہ بیت المال میں جائے گا۔ چنانچہ بعض صحابہ مثلاً زیدؓ بن ثابت، عبداللہ بن عباسؓ وغیرہ، نیز امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اسی بات کے قائل ہیں۔

دوسری طرف ترمذی میں ایک مرسل حدیث یہ بھی ہے کہ: "الخال من لا وارث لہٗ" یعنی جس کا کوئی وارث نہ ہو، ماموں اس کا وارث ہوتا ہے۔ پھر اس کے قائلین یہ بھی کہتے ہیں کہ گو کتاب وسنت میں تقسیمِ میراث کے بارے ذوی الارحام کا ذکر نہیں تاہم اولوالارحام کے الفاظ تو موجود ہیں، اور یہ سب مطالب کے لیے عام ہیں۔ چنانچہ کچھ صحابہؓ، تابعینؒ اور حنفیہ اس بات کے حق میں ہیں کہ ذوی الفروض اور عصبہ کی عدم موجودگی میں ترکہ ذوی الارحام میں تقسیم ہونا چاہیے۔

قائلین نے ایسے رشتہ داروں کی طول طویل تفصیلات پیش کی ہیں اور ان میں تقدم وتاخر کے اصول اور ترتیب وہی ہے، جو عصبات کی ہے، مثلاً:

۱۔ جزءِ میت، جیسے بیٹی کی اولاد، نواسے نواسیاں وغیرہ نیچے تک۔ اسی طرح پوتے پوتیاں اور ان کی اولاد نیچے تک۔

۲۔ اصلِ میت، جیسے جدِّ فاسد، یعنی نانا پڑنانا اور دادی کا باپ وغیرہ، اور جدّۂ فاسدہ، جیسے نانا کی ماں، دادی کے باپ کی ماں وغیرہ۔

۳۔ جزءِ والدینِ میت، جیسے بہن کی اولاد، بھانجے بھانجیاں نیچے تک اور بھتیجے بھتیجیاں نیچے تک۔

۴۔ جزءِ جدّینِ میت (جو میت کے نانے، دادے کی طرف منسوب ہوں) جیسے پھوپھی اور اس کی اولاد نیچے تک، خالہ اور اس کی اولاد نیچے تک، ماموں اور اس کی اولاد نیچے تک، چچازاد بہن اور اس کی اولاد نیچے تک۔

گویا تفصیلاً یہ مندرجہ ذیل گیارہ اقسام بن جاتی ہیں:

(۱) نواسے نواسیاں (۲) بھانجے بھانجیاں (۳) بھتیجے بھتیجیاں (۴) مادری بہنوں کی اولاد (۵) پھوپھیاں اور ان کی اولاد (۶) چچا، جو میت کے باپ کا مادری بھائی ہو (۷) ماموں (۸) خالہ (۹) چچازاد بہنیں (۱۰) جدِّ فاسد اور جدّۂ فاسدہ۔

اور یہ ایسی تفصیلات ہیں، جن کی شاید ہی کبھی ضرورت پیش آئی ہو یا آئندہ کبھی پیش آئے۔

پھر ان رشتہ داروں میں تقسیم ترکہ کے طریقہ میں بے شمار اختلافات ہیں۔ اور چونکہ کتاب و سنت میں ان کے متعلق کوئی نص نہیں ملتی، لہٰذا اس میدان میں فقہاء نے خوب جولانیاں دکھائی اور موشگافیاں کی ہیں۔ چنانچہ ایک ہی مسئلہ کے کئی کئی حل پیش کیے ہیں۔ بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ کوئی ایسا مسئلہ نہ ہوگا، جس میں اختلاف نہ پایا جاتا ہو تو زیادہ موزوں ہے۔ اس طویل بحث کا نہ یہاں حصر ممکن ہے اور نہ ہی ہم اس کا کچھ فائدہ سمجھتے ہیں۔

ہمارے خیال میں بہتر صورت یہ ہے کہ مرنے والا جن ذوی الارحام یا محروم رشتہ داروں میں سے کسی کی مدد کرنا چاہے تو اس کے حق میں وصیت کر جائے۔ بصورتِ دیگر ورثاء کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ ایسے ذوی الارحام یا محروم رشتہ داروں میں سے جسے مستحق سمجھیں، اسے کچھ نہ کچھ حصہ دے دیں، بموجب ارشادِ باری تعالیٰ:

"وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ

مِّنْهُ - الاٰیۃ!　　　　(النسآء : ۸)

"اور جب تقسیمِ میراث کے وقت (غیروارث) رشتہ دار اور یتیم اور مسکین آجائیں، تو اس میں سے ان کو کچھ دے دیا کرو" (واللہ اعلم)

اسلامی قانونِ وراثت کی امتیازی خصوصیات

۱۔ میراث میں عورت کا حصّہ :

قبل از اسلام، اس وقت کے مہذب ممالک، مثلاً ہندوستان، چین اور مغربی ممالک میں عورت کو وراثت سے محروم رکھا جاتا تھا۔ اور عرب میں تو اس کا اور بھی برا حال تھا کہ عورت کا وارث ہونا تو درکنار، وہ ترکہ کا مال بنی ہوئی تھی۔ حتیٰ کہ باپ کی منکوحہ بیٹے کے حصے میں آتی تو وہ اس سے نکاح کر لیتا۔ اس ظلم کا خاتمہ اللہ ربّ العزت کے اس ارشادِ مبارک سے ہوا :

"وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا" (النسآء : ۲۲)

"اور جن عورتوں سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہو، ان سے نکاح نہ کرنا، مگر (دورِ جاہلیت میں) جو ہو چکا سو ہو چکا۔ یہ بیحیائی اور اللہ کی ناخوشی کی بات اُور بہت ہی بُرا دستور تھا"

عورتوں سے ترکہ چھین لینا بھی ایسا ہی ایک ظالمانہ دستور تھا۔ جنگِ احد میں حضرت سعدؓ بن ربیع شہید ہو گئے اور دو لڑکیاں اور بیوی چھوڑ گئے۔ حضرت سعدؓ شہید کا بھائی زندہ تھا، اس نے عرب کے دستور کے موافق پورے ترکہ پر قبضہ جما لیا۔ یتیم لڑکیاں اور بے کس بیوی دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے۔ حضرت سعدؓ کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور صورتِ حال عرض کرتے ہوئے کہا کہ: "ابھی تو ان کی شادی بھی کرنی ہے اور ترکہ سارا ان لڑکیوں کا چچا لے گیا ہے۔" آپؐ نے اسے فرمایا: "اللہ کے حکم کا انتظار کرو!" ___ اسی پس منظر میں آیاتِ میراث نازل ہوئیں۔ جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔

آپؐ نے حضرت سعدؓ کے بھائی کو بلا کر فرمایا: ترکہ کا دو تہائی تو ان بیٹیوں کو دو اور

$\frac{1}{8}$ ان کی ماں کو، باقی جو کچھ بچے، وہ تمہارا ہے"! ــــ یہ پہلی میراث تھی جو اسلام میں تقسیم ہوئی اور عورتوں کو میراث میں حصہ دار بنایا گیا۔

۲۔عورتوں کے حصّہ معینہ کی حکمت:

اس قانون کی دوسری خوبی یہ ہے کہ عورتوں کو حسبِ ضرورت حصّہ دیا گیا ہے۔ مثلاً اوپر کی مثال میں لڑکیاں یتیم تھیں اور شادی کے قابل، تو انھیں کل ترکہ کا $\frac{2}{3}$ دے دیا گیا۔ اور اگر ان کے ساتھ ان کی کفالت کرنے والا کوئی بھائی بھی ہوتا، یا زیادہ بھائی ہوتے، تو بارِ کفالت ان بھائیوں پر تھا، لہٰذا انھیں عورت سے دوگنا حصّہ دیا جاتا، جب کہ لڑکیوں کو ان سے آدھا حصّہ دینے پر اکتفاء کیا گیا۔ اسی طرح بوڑھے ماں باپ دونوں کا حصہ برابر (یعنی ہر ایک کا $\frac{1}{6}$) رکھا گیا، اس لیے کہ زندگی کے اس دور میں دونوں پیسے کے لیے برابر اور ایک جیسے محتاج ہوتے ہیں۔

۳۔غیر مستحقین کے حقوق کا خاتمہ:

عرب میں یہ دستور بھی تھا کہ کوئی شخص مثلاً زید اپنے کسی دوست مثلاً بکر سے ولایت و حمایت کا عہد و پیمان کر لیتا۔ اس عہد میں یہ بات بھی شامل ہوتی کہ زید کے ترکہ کا بکر، اور بکر کے ترکہ کا زید وارث بنے گا۔ اس طرح اصل ورثاء محروم رہ جاتے۔

علاوہ ازیں ایک دستور یہ بھی تھا کہ جس کے اولاد نہ ہوتی، وہ کسی کو اپنا متبنّٰی (منہ بولا بیٹا) بنا لیتا۔ اب یہ متبنّٰی ہی وارث ہوتا اور اصل مستحقین محروم رہ جاتے۔

قرآنِ کریم نے ان لوگوں کے ایسے حق کو، جس سے حق داروں کا حق سلب ہو رہا تھا، ختم کر دیا ــــ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ ــــ الآية"! (النسآء:۳۳)

"اور ہم نے ہر اس ترکہ کے حق دار مقرر کر دیے ہیں، جو والدین اور رشتہ دار چھوڑ جائیں۔ رہے وہ لوگ، جن سے تمہارے عہد و پیمان ہوں، تو انھیں ان کا حصّہ (ان کی زندگی ہی میں جو چاہو) دے دو!"

ہجرتِ نبویؐ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار و مہاجرین میں سلسلۂ مؤاخات (بھائی بھائی بنانا) قائم فرمایا، جس میں یہ بھائی ایک دوسرے کے وارث قرار پائے۔ اور یہ خالصتاً دینی مقصد تھا، جس کے ذریعہ مہاجرین کی آبادکاری اور مسلمانوں کا معاشی مسئلہ حل کیا گیا تھا۔ مگر جب مسلمانوں کی معاشی حالت کچھ سنبھل گئی تو اس حکم کو بھی درج ذیل آیت سے منسوخ کر دیا گیا:-

"وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ اِلَّآ اَنْ تَفْعَلُوْٓا اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِكُمْ مَّعْرُوْفًا" (الاحزاب: ۶)

"کتاب اللہ کی رُو سے عام مسلمانوں اور مہاجرین کی نسبت رشتہ دار ہی ایک دوسرے کے زیادہ حق دار ہیں، الّا یہ کہ تم اپنے دوستوں سے کوئی بھلائی (کرنا چاہو تو) کر سکتے ہو!"

۴۔ حقِ وصیت:

اِن احکامِ میراث میں میت کو بالکل بے بس نہیں چھوڑا گیا، بلکہ اسے اپنے مال میں سے ⅓ تک وصیت کا حق دیا گیا ہے۔ وہ اپنی زندگی میں ہدیہ، تحائف، اور ہبہ کے ذریعہ نیز بوقتِ وفات وصیت کے ذریعہ اپنے دوستوں کو، رشتہ داروں کو، متبنّٰی کو—غرض جسے بھی چاہے— اپنے مال میں سے حصہ دے کر ان کے عہد و پیمان اور اپنی تمنا کو پورا کر سکتا ہے۔

صغر و کبر کے تفاوت کا خاتمہ:

قبل از اسلام کئی ممالک میں یہ رواج تھا کہ ترکہ کا اصل وارث خلفِ اکبر (بڑا بیٹا) ہی قرار دیا جاتا۔ پھر جسے وہ چاہتا، کچھ دے دیتا، یہ اس کی اپنی صوابدید پر منحصر تھا۔ اور عرب میں یہ دستور تھا کہ ترکہ صرف ان بیٹوں کو ملتا جو جنگ کرنے کے اہل ہوتے، چھوٹے بیٹے ورثہ سے محروم کر دیئے جاتے۔ اسلام نے اس طرح کے ہر قسم کے تفاوت کو ختم کر کے چھوٹے بڑے سب کا حصہ برابر قرار دیا۔ حتیٰ کہ پیٹ کے جنین کو بھی وراثت میں حصہ دار بنایا گیا ہے۔

اولاد میں سے کسی کا اپنے والد کا فرمانبردار ہونا، نہ ہونا اس کے حصۂ وراثت کو متاثر نہیں کر سکتا۔ ہمارے ہاں جو یہ رواج چل نکلا ہے کہ ادھر والد اپنے کسی بیٹے سے ناراض ہوا، اُدھر اُس نے اخبارات میں "عاق نامہ" شائع کرا کے اسے محروم الارث قرار دے دیا۔ ایسے عاق ناموں کی شرعاً کوئی حیثیت نہیں۔ والد کا نافرمان ہونا گناہِ کبیرہ ہے، جس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔ لیکن یہ گناہ بیٹے کے حق وراثت کو ساقط نہیں کر سکتا۔ حق وراثت صرف قتل سے ساقط ہوتا ہے۔

۶۔ ہر ایک کے حصّہ کی تعیین:

اللہ تعالیٰ نے ہر وارث کے حصّے خود ہی مقرر فرما دیئے ہیں۔ چنانچہ ہر ایک کو یہ پہلے سے معلوم ہوتا ہے کہ ترکہ میں اس کا حصّہ کیا ہے؟ اس طرح باہم لڑائی جھگڑے اور تنازعات کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔

۷۔ عدل و انصاف پر مبنی قانون:

ہر انسان (بلکہ اگر ہر جاندار کہیں تو زیادہ مناسب ہے) کی توجہ اپنی اولاد کی طرف ہوتی ہے۔ اور اپنی اصل، یعنی والدین کی طرف سے وہ لاپرواہ ہوتا جاتا ہے۔ اسی فطرتِ انسانی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسلام نے دوسرے ورثاء کے مقابلہ میں اولاد کو مقدم کیا ہے۔ چنانچہ آیاتِ میراث کی ابتداء ہی: "يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ" سے ہوتی ہے۔ مگر ساتھ ہی ساتھ دوسرے نمبر پر والدین کا حصّہ مقرر کر دیا گیا ہے، کہ جن ہستیوں نے محنت و مشقت سے اسے پروان چڑھایا ہے، انھیں وہ یکسر فراموش ہی نہ کر دے ـــــ شوہر، بیوی، بیٹا، بیٹی، ماں، باپ، یہ سب لازمی ورثاء ہیں، جو کسی صورت میں بھی (اگر موجود ہوں تو) محروم نہیں ہوتے!

۸۔ خاندانی نظام کا استحکام:

معاشرہ کے استحکام کا انحصار خاندان کے استحکام پر منحصر ہے، کیونکہ خاندان ہی معاشرہ کی ابتدائی اور اوّلین منزل ہے ـــــ اسلام کا نظامِ وراثت اس سلسلہ میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

معاشی اہمیت

مذکورہ بالا امتیازی خصوصیات کے علاوہ اسلامی قانونِ وراثت کے چند در چند معاشی فوائد بھی ہیں ـــــ مثلاً :

۱- ارتکازِ دولت اور جاگیرداری کا خاتمہ :

دولت کا چند ہاتھوں یا چند خاندانوں میں سمٹ جانا معاشرہ میں طبقاتی تقسیم کا موجب بنتا ہے، جو اپنے ساتھ بے شمار خرابیاں لاتا ہے۔ ارتکازِ دولت سرمایہ دارانہ نظام کا خاصہ ہے۔ انھی خرابیوں کی وجہ سے اس نظام کی کوکھ سے اس کی دوسری انتہا اشتراکیت نے جنم لیا، جو بنی نوع انسان کے لیے سرمایہ دارانہ نظام سے بھی زیادہ مہلک ثابت ہوئی ہے۔ اسلامی نظامِ وراثت کی خوبی یہ ہے کہ وہ دولت کے خزانوں کو ایک ہی پشت میں کم وبیش آٹھ دس حصوں میں بانٹ دیتا ہے اور یہ سلسلہ ہر پشت میں، بلکہ ہر وقت آگے بڑھتا رہتا ہے، جس سے سرمایہ دارانہ نظام کی خرابیاں از خود ختم ہونے لگتی ہیں۔

یہی صورتِ حال جاگیرداری کی بھی ہے۔ موجودہ زمانے کی جاگیریں اگر اسلام کے قانونِ وراثت کے مطابق ورثاء میں تقسیم ہوتی رہتیں تو آج ملکی دولت پر چند خاندانوں کا قبضہ نہ ہوتا۔ اور حکومتوں کو آئے دن زرعی اصلاحات کی جو ضرورت پیش آتی ہے، اس کی نوبت ہی نہ آتی۔

۲- پیداوار میں اضافہ :

جاگیرداری کا سب سے بڑا نقصان ملکی سطح پر ہوتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کے پاس ہزاروں ایکڑ رقبہ موجود ہے۔ اور ایسے اشخاص ہمارے ملک میں اگر سینکڑوں نہیں تو بیسیوں ضرور موجود ہیں ـــــ اب یہ تو ظاہر ہے کہ اس قدر وسیع رقبے کا ایک مالک اس رقبہ پر وہ توجہ نہیں دے سکتا جو دس، بیس یا اس سے بھی زیادہ مالک دے سکتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زمین سے اتنی پیداوار حاصل نہیں ہوسکتی جتنی کہ ہونا چاہیے تھی۔ اگر یہ زمینیں متعدد افراد کی ملکیت میں ہوتیں تو یقیناً ان سے دوگنی پیداوار حاصل کی جاسکتی تھی۔

۳۔ خاندانی کفالت:

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ میں آکر سخت بیمار پڑ گئے اور انھیں اپنے جانبر ہونے کی امید نہ رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ ان کی عیادت کو آئے اور تسلی دی۔ حضرت سعدؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی، میں چاہتا ہوں کہ اپنی ساری جائیداد کی وصیت کر جاؤں، لیکن آپؐ نے اس کی اجازت نہ دی۔ پھر حضرت سعدؓ نے دو تہائی وصیت کی بات کی، مگر آپؐ نے یہ صورت بھی تسلیم نہیں فرمائی۔ پھر انھوں نے آدھے ترکہ کی بات کی تو آپؐ نے یہ بات بھی قبول نہ فرمائی۔ اس کے بعد حضرت سعدؓ نے ایک تہائی کی اجازت چاہی تو آپؐ نے ایک تہائی کی اجازت تو دے دی، مگر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ یہ ایک تہائی بھی بہت ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے حضرت سعدؓ کو جو کچھ ارشاد فرمایا، وہ زرّیں حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔ آپؐ نے فرمایا: "اگر آپ اپنی اولاد کو مالدار چھوڑ جائیں تو یہ اس سے بہتر ہے کہ انھیں آپ محتاج چھوڑ جائیں اور وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔"

(بخاری، کتاب الفرائض، باب میراث البنات)

پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ وارث صرف اولاد ہی نہیں ہوتی، بلکہ ایسے وارثوں کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اگر ہر شخص کا ترکہ یوں انصاف کے ساتھ تقسیم ہوتا رہے تو معاشی ناہمواریوں میں حیرت انگیز حد تک خود بخود کمی ہوتی چلی جاتی ہے۔ یوں ہر خاندان کی اپنی اپنی سطح پر کفالت بھی ہو جاتی ہے اور معاشی سطح میں یکسانی بھی پیدا ہونے لگتی ہے۔

۴۔ گردشِ دولت اور غربت کا علاج:

ترکہ پانے والے وارثوں میں غریب بھی موجود ہوتے ہیں۔ وصیت میں صدقہ و خیرات سب غریب طبقہ کا حصّہ ہوتا ہے۔ پھر قرآنِ کریم کی ہدایت بھی موجود ہے کہ میراث سے پہلے محتاج و نادار حاضرین کو کچھ دے دیا کرو۔ ان سب باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ترکہ میں غرباء کا ایک معتد بہ حصّہ ہوتا ہے۔ معاشیات کا ایک قاعدہ تو یہ ہے کہ دولت کی گردش سے خوشحالی میں اضافہ ہوتا ہے اور دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ اگر دولت غریب طبقہ میں آئے تو گردش کی

رفتار تیز تر ہو جاتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ طبقہ اپنی ضروریات پہلے سے ہی روکے ہوئے ہوتا ہے کہ کہیں سے پیسہ ملے تو اسے خرچ کر کے اپنی ضروریات پوری کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے ہر ہر مقام پر غریب طبقہ کا خیال رکھا ہے۔ بلکہ ساتھ ہی یہ تنبیہ بھی فرما دی کہ :

"کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَاءِ مِنْکُمْ" (الحشر: ۷)

"ایسا نہ ہو کہ دولت تمہارے اغنیاء میں ہی گردش کرتی رہے"

اس لحاظ سے اسلامی قانونِ وراثت جہاں غریبوں کا سہارا بنتا ہے، وہاں ملک کی خوشحالی کا بھی مؤثر سبب بن جاتا ہے۔

دو کتابیں صرف آٹھ روپے میں!

۱۔ حقیقۃ الوسیلہ کتاب وسنّت اور اقوالِ سلف کی روشنی میں
از قلم مولانا عبدالرحمٰن عزیز اللہ آبادی۔

۲۔ ترجمہ "قل جاء الحق محمد افضل الخلق لا اول الخلق"۔ از قلم
علامہ محمد نسیب رفاعی (حلب)

صرف آٹھ روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر مندرجہ ذیل پتوں سے حاصل کریں۔ بغیر ٹکٹ کے تعمیل نہ ہو گی۔

عبدالوحید عزیز محمدی جامعہ محمدیہ حق بازار اوکاڑہ۔
حافظ بک ڈپو البدر مارکیٹ، پتوکی ضلع لاہور۔
الاحسان فوٹو سٹیٹ، توقیر مارکیٹ، ٹاؤن شپ لاہور۔

(عزیز محمدی جامعہ محمدیہ حق بازار اوکاڑہ)